© rasailojaraid.com

علومِ عقلیہ میں علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی بصیرت

از ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری، شعبۂ عربی امر سنگھ کالج سرینگر (کشمیر)

(قسط دوم)

فلسفۂ یونان اور اس کے مقلدین پر تنقید | علامہ انور شاہ کو فلسفۂ یونان پر وسیع نظر تھی۔ اس کا اندازہ ان کے تنقیدی اشاروں سے ہوسکتا ہے۔ وہ ایک ماہر فن کی طرح تبصرہ کرتے ہیں۔ ایک جگہ ابن رُشد اور بوعلی سینا کے بارے میں کہتے ہیں:

وابن رشد هذا احذق عندي من ابن سينا ويفهم كلام ارسطو ازيد منه [1]

میرے نزدیک ابن رشد ہی بوعلی سینا سے زیادہ ماہر ہے وہ ارسطو کا کلام بھی اس سے اچھا اور زیادہ بہتر سمجھتا ہے۔

علامہ کشمیری فلسفۂ یونان سے علماءِ اسلام کی کتابوں ۔ ۔ ۔ ۔ کے توسط سے واقف ہوگئے تھے۔ انھوں نے علامہ ابن تیمیہ، امام غزالی، ابن رشد، امام ابوالحسن اشعری، امام ابومنصور ماتریدی، ابن سینا، صدر شیرازی، محمد باقر، جلال الدین دوانی اور ہندستان کے بلند پایہ حکماء اور متکلمین کی کتابوں کا بغائر مطالعہ کیا تھا۔ ان سب کے علوم اور افادات ان کے رسائل اور امالی میں ملتے ہیں۔

علامۂ کشمیری ارسطو، افلاطون اور دوسرے فلاسفۂ یونان کی پھیلی ہوئی منطق سے

---

[1] فیض الباری علی صحیح البخاری: ج ۱ ص ۱۶۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ زیادہ متاثر معلوم نہیں ہوتے۔ وہ ان کے خود ساختہ عقل اور افلاک کو ان کی ذہنی عیاشی سمجھتے ہیں۔ ابن تیمیہؒ کے بارے میں پروفیسر محمد ابوزہرہ نے لکھا ہے:

فانہٗ لیس بفیلسوف، ھو الذی	وہ ایسے فلسفی نہیں ہیں جو فلاسفہ کے
یھیم فی احلام الفلاسفۃ وتاملاتھم	خواب وخیالات میں حیران وسرگرداں پھرتا
... واخیلتھم بل ان کل من	ہو۔ بلکہ وہ فلسفی ہیں جن کے سامنے پہلے طے
یقرر الحقائق ویناضل عنھا بعقل	شدہ حقائق ہوتے ہیں اور پھر اپنی گہری اور
متأمل مدرک عمیق بعید الغور	رسا عقل وفکر سے ان کی مدافعت کرتے
فی الفروض والتقدیرات ھو ایضاً	ہیں۔ ۔۔ مفروضات میں وقت ضائع کرنے
فیلسوف وان کان تیکلم بالحقائق	اور اوہام وظنون میں غور وفکر کرنے سے
الدینیۃ المقررۃ وینطق باحکام	دور رہتے ہیں۔ وہ مقررہ دینی حقائق، ثابت
القران واحادیث الرسول صلی اللہ	وقائم دینی احکام اور مقدس ومطہر احادیث
علیہ وسلم محررۃ ثابتۃ۔ [1]	رسول پر گفتگو فرماتے ہیں۔

یہی حال علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا بھی ہے۔ ان کے دلائل ومباحث اپنی لطافت وندرت میں وہی قیمت رکھتے ہیں جو ذی شان ائمۂ متکلمین کے افکار وآراء کو حاصل ہے۔ ایک جگہ ذات وصفاتِ باری تعالیٰ میں ابن سینا اور فارابی کے خیالات پوری قوت کے ساتھ رد کر کے بڑے اعتماد کے ساتھ تنبیہ کرتے ہیں:

کن علیٰ بصیرۃ وفطنۃ ولا یغرنک	تمہیں فکر وبصیرت سے کام لینا چاہیے۔
خضراء الدمنۃ ولکن اجل جمیع	ایسا نہ ہو کہ تمہیں کوڑا کرکٹ کی سبزی دھوکے
مزخرفاتھم وخزعبلاتھم اذا	میں ڈال دے۔ فلاسفہ کی ساری ذہنی

---

[1] ابن تیمیہ: حیاتہ وعصرہ: ص ۲۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ومعن فیھا النظر وغاص فیھا الفکر استبان عوارھا۔ فاذا تدھشک تعبیراتھم الھائلۃ ولا تعجبک اطلاقاتھم الرائقۃ وما ذاک الا کالحادی لیس لہٗ بعیر وجعجعۃ من غیر طحین[1]۔

عیاشیوں اور چمک دمک کا یہی حال ہے جب گہری نظر سے انھیں دیکھا جائے اور ان پر اچھی طرح غور کیا جائے تو ان کا کھوکھلاپن کھل کر سامنے آئے گا اس لیے تمھیں ان کی حیرت انگیز تعبیرات اور خوشنما اطلاقات مدہوش نہ کریں۔ ان کی مثال ایسے حُدی خوان کی ہے جس کے کوئی اونٹ نہیں ہے یا چکی کے شور و غوغا کی، جس سے آٹا نہیں نکلتا ہے۔

ایک اور جگہ عالم کے حدوث وقدم کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے فلسفۂ یونان اور ان فلاسفۂ اسلام کو جنھوں نے آنکھیں بند کرکے یونان کے ملحدانہ افکار اپنائے تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" حافظ ابن تیمیہ رح نقل کرتے ہیں کہ قدیم فلاسفہ میں سے بھی کوئی فلسفی عالم کے قدیم ہونے کا قائل نہیں تھا اور خود افلاطون بھی انہی میں سے تھا۔ اس کے بعد ارسطو آیا تو اس نے قِدم عالم کا مذہب اختیار کیا۔ یہ باطل ہے اور اسلام میں اس کا قائل کافر ہے۔ تمام آسمانی مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ عالم حادث ہے۔ ہاں بعض صوفیہ کی طرف بعض چیزوں کا قِدم منسوب کیا جاتا ہے، جیسے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی طرف۔ اگرچہ امام عبدالوہاب شعرانی رح نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ انتساب شیخ اکبر پر افتراء ہے مگر میرے نزدیک یہ افتراء نہیں ہے بلکہ اس طرح کے مسائل شیخ اکبر کے تفردات میں ضرور

---

[1] نفحۃ العنبر من ھَدْیِ الشیخ الانور: علامہ یوسف بنوری: ص ۱۳۱۔ ۱۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ بحر العلوم (مولانا عبد العلی) نے بھی چند باتوں کو شیخ اکبر کی طرف منسوب کیا ہے۔ میرے نزدیک یہ انتساب صحیح ہے۔ ہاں، جلال الدین دوانی نے حافظ ابن تیمیہ کی طرف عرش [illegible] قدیم ہونا منسوب کیا ہے مگر میرے نزدیک یہ انتساب صحیح نہیں ہے۔ میں نے اس بارے میں چند اشعار بھی نظم کیے ہیں جو حافظ ابن قیم کے قصیدۂ نونیہ کے وزن پر ہیں اور اسی سے ملائے ہیں[1]

ابن سینا پر تنقید اس کے بعد علامہ کشمیری نے اپنے یہ اشعار پیش کیے ہیں جن میں ایک جگہ بو علی سینا پر اس طرح برستے ہیں:

لسنا نقول کما یقول الملحد..... الزندیق صاحب منطق یونان
بدوام ھذا العالم المشہود والا رواح فی ازل ولیس بفان
فھو ابن سینا القرمطی العدا مری شرک الردی وشرطۃ الشیطان[2]

یعنی ہم وہ بات نہیں کہہ سکتے جو اس ملحد وزندیق یونانی منطق کے پجاری نے کہی ہے وہ یہ کہ عالم مشہود اور عالم ارواح قدیم اور ازلی ہے اور یہ کہ یہ غیر فانی ہیں۔ میری مراد ابن سینا قرمطی سے ہے جو شرک کا زبوں اور شیطان کی سواری ہے۔

حضرت علامہ محمد انور شاہؒ نے بو علی سینا کے ملحدانہ خیالات پر جو تنقید کی ہے اس میں وہ منفرد نہیں ہیں بلکہ ان سے قبل شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے "الرد علی المنطقیین" میں اسے ملحد اور زندیق کہا ہے بلکہ ان سے قبل امام غزالیؒ نے بھی ابن سینا کی تکفیر کی ہے۔[3]

---

[1] فیض الباری: ج ۱ ص ۱۶۶ [2] ایضاً

[3] الاخلاق عند الغزالی: ذکی مبارک، التجاریۃ الکبریٰ، مصر: ص ۵،

= ذکی مبارک نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس تکفیر پر ایسا غم وغصہ ظاہر کیا ہے کہ امام صاحب کی شان میں سخت بد دینی سے بھی باز نہ رہا ہے۔ چونکہ دین کا درد، حدود شرع کی رعایت (ص ۲۹۰ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"امام غزالی تکفیر او می نماید و الحق کہ اصولِ فلسفی اُو منافی اصولِ اسلام است"[۵۱]

فلسفۂ بار یہ اور سفسطۂ متروکہ کو چھوڑ کر جہاں طب یا علم النفس سے متعلق کسی مسئلہ کی تحقیق کرنا ہوتی ہے تو اس وقت علامہ کشمیریؒ شیخ الرئیس کے اقوال و تحقیقات کو بطور حجت پیش کرتے ہیں اور وہاں اخذ و استفادے میں مذہبی حمیت کبھی ان کے سامنے حائل نہیں ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ ان کے رسائل و امالی پڑھ کر ہی ہو سکتا ہے۔ تاہم یہاں

(بقیہ حاشیہ صـ۲۸) حفاظت، اسلامی عقائد و آداب کی نگہبانی اور جذبۂ احیائے ملت وہ باتیں ہیں جن سے مستغربین کو کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے اس لیے ایسے لوگوں سے مذہب و ملت کے حق میں خیر خواہی کی امید رکھنا عبث ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ، جو خود قدیم و جدید فلسفے کے مغز تھے، جگہ جگہ بوعلی سینا سے چوکنا رہنے کی تلقین کرتے ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

(۱) یورپ کے کرگسوں کو نہیں ہے ابھی خبر ہے کتنی زہرناک ابی سینیا کی لاش

(۲) عروقِ مردۂ مشرق میں خون زندگی دوڑا سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی

(۳) بوعلی اندر غبارِ ناقہ گم دست رومی پردۂ محمل گرفت

(۴) بوعلی دانندۂ آب و گل است بے خبر از خستگیہائے دل است

(۵) ایک نظم "ایک فلسفہ زدہ امیرزادہ" کو خاقانی کے ان اشعار پر ختم کیا ہے۔

دل در سخن محمدی بند اے پورِ علی ز بوعلی چند

چوں دیدہ را بیں نداری قائدِ قرشی بہ از بخاری

۵۱ مکتوبات: دفتر اول، مکتوب ۲۴۵، نور کمپنی پاکستان۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک مثال پیش کی جاتی ہے، علامہ انور شاہؒ فرماتے ہیں:

"روح، نسمہ، نفس اور ذرّ ایک ہی چیز کے مختلف نام نہیں ہیں بلکہ یہ اپنی ماہیت میں بھی ایک دوسرے سے مختلف اور متغائر ہیں۔ ذرّ اگرچہ روح کے ساتھ قربت رکھتا ہے مگر اس کا اطلاق جسم پر بھی ہوتا ہے۔ بوعلی سینا نے بھی اس کا فرق ملحوظ رکھا ہے۔ اس نے روح کا ترجمہ رواں اور حیوان کا ترجمہ جان سے کیا ہے[۱]"

عصری علوم سے استفادہ | علامہ انور شاہ کشمیری نے صاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ موجودہ سائنس ہی اسلام سے زیادہ قریب ہے۔ وہ خود بہت سے مسائل جدید تحقیقات کی روشنی میں حل کرتے ہیں ہم چند مثالیں بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

رؤیا کی حقیقت | خواب کے بارے میں قرآن اور احادیثِ صریحہ میں بہت کچھ مذکور ہے۔ سورۂ یوسف میں تین قسم کے خوابوں کا ذکر ہے:

(۱) منام (۲) رؤیا (۳) اضغاثُ احلام

فلاسفہ اور متکلمینِ اسلام نے خواب کی حقیقت و نوعیت پر بہت کچھ لکھا ہے اسی طرح جدید تحقیقات نے بھی خواب Dream کے بارے میں بہت سی نئی باتیں دریافت کی ہیں۔ نفسیات کے مشہور فاضل سگمنڈ فرائڈ S. Freud نے تعبیر خواب The Interpretation Dream کے نام سے جو کتاب لکھی اس نے لوگوں کو خوابوں کی ایک نئی دنیا سے روشناس کیا۔ علامہ محمد انور شاہؒ ایک حدیثِ قدسی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن میں جو رؤیا مذکور ہے اس کے بارے میں میرا ذاتی خیال یہ تھا کہ یہ نیند اور بیداری کی درمیانی حالت کا نام ہے۔ یعنی وہ حالت جسے نہ کامل نیند

---

[۱] فیض الباری ج ۲ ص ۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہا جا سکتا ہے اور نہ کامل بیداری - فرماتے ہیں کہ یہ میری ذاتی تحقیق تھی - اس کے بعد میں نے فرید وجدی کی دائرۃ المعارف کا مطالعہ کیا اور دیکھا کہ اہل یورپ کی تحقیق بھی یہی ہے :

ان الرؤیا لیس بنوم ولا یقظۃ کما کنتُ حققتُ فی سالفِ من الزمان بل ھی حالۃ متوسطۃ بینھما ولذا لا تزال تتسلسلُ ولا تنقطع الّا بالنوم الغرق او الیقظۃ ثم اطاعت بعد زمنٍ طویل علی دائرۃ المعارف لفرید وجدی فرأیت فیھا تحقیق اھل اوربا الذٰ ن لعین ماکنتُ حققتہٗ سابقاً[۱]

رؤیا کے بارے میں ایک عرصہ پہلے میری یہ تحقیق تھی کہ یہ نہ نیند کا عالم ہے اور نہ بیداری کا، بلکہ یہ ان دو کی درمیانی حالت کا نام ہے - یہ حالت تب تک بدستور قائم رہتی ہے جب تک کامل نیند یا کامل بیداری اس کو منقطع نہ کر دے، یہ میری ذاتی تحقیق تھی - پھر اس کے طویل مدت بعد میری نظر فرید وجدی کی دائرۃ المعارف پر پڑی اور دیکھا کہ یورپ کے محققین کی تحقیق بھی یہی ہے - اس طرح اس مسئلہ کے بارے میں میری جو ذاتی رائے قائم ہوئی تھی اب آج آنکھوں سے پڑھ کر اس کی تائید ہوئی -

جمادات بھی شعور رکھتے ہیں جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ کائنات کی ہر چیز شعور "Consciousness" رکھتی ہے - اب بے حس مادہ قبول کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے - علامہ محمد انور شاہ فرماتے ہیں کہ احادیث کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ جمادات کو بھی شعور حاصل ہے - ایک حدیث ھذا اجبلٌ یحبُّ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا احد پہاڑ کو جنتی اور عیر پہاڑ کو جہنمی کہنے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے[۲] - آگے

---

[۱] فیض الباری علی صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۱-۲۲ -

[۲] فیض الباری ج ۳ ص ۴۳ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے جمدان پہاڑ، جو مکہ میں واقع ہے، پر چلتے ہوئے فرمایا: سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ "۔ اس پر میں متفکر ہوا کہ ایک بے حس پہاڑ کے پاس حضورؐ نے یہ کیوں فرمایا۔ پھر میں نے سمہودی کی وفاء الوفا میں دیکھا کہ یہاں آپؐ کا اشارہ کسی شاعر کے اس شعر کی طرف تھا[1]

وَقَبْلَنَا سَبَّحَ جُوْدِیٌّ وَّ الْجَمَدُ

صلصلۃ الجرس احادیث میں وحی کی مختلف صورتوں کا ذکر آیا ہے۔ اس میں وحی کی ایک قسم کو گھنٹے کی آواز کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے۔ یورپ کے بازیگروں نے "صرع" کا افسانہ اسی پر کھڑا کیا[2]۔ اگرچہ بعد میں خود ہی اس افسانے کو دفن بھی کیا[3]۔ علمائے اسلام نے صلصلۃ الجرس کی مختلف شرحیں لکھی ہیں۔ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے مختصر الفاظ میں اسے ٹیلیگراف کی گھڑگھڑاہٹ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

صلصلۃ الجرس ھٰھنا کنقراط التلغراف لأداء الرسالۃ[4]

وجہ شبہ اس قدر واضح ہے کہ صلصلۃ الجرس سمجھنے میں کسی مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔

قوتِ باصرہ کی حقیقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے ایک بار صحابہ سے فرمایا: میں تمہیں نماز کی حالت میں ہونے کے باوجود اپنے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔ علامہ انور شاہؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ رسول اللہؐ کا معجزہ تھا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ فلسفۂ جدیدہ میں

۱ـ فیض الباری، ج ۳ ص ۴۴۴۔

۲ـ The age of Faiath: Will Durant. P.164

۳ـ Mohammad: Margowiouth. P.45

۴ـ مشکلات القرآن: علامہ محمد انور شاہ کشمیری، مجلس علمی ڈابھیل: ص ۱۲۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب یہ ثابت ہوگیا ہے کہ قوت باصرہ جسم کے تمام اعضاء میں موجود ہے[1]

واضح رہے متقدمین مسلمان سائنسدانوں میں ابن الہیثم نے اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ دراصل آنکھ نہیں دیکھتی ہے بلکہ دماغ دیکھتا ہے۔ بصریات میں ابن الہیثم نے جو تحقیقات پیش کی ہیں فضلاءِ یورپ نے عصر حاضر میں اس کے ساتھ بڑا اعتنا کیا یہاں تک کہ ان کی کاوشِ فکر کو سائنس کا ایک جزو ہی بنا دیا[2]

ایتھر یا جوہر بسیط علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: قدیم فلاسفہ کے نزدیک فضا میں جو کچھ پھیلا ہوا ہے وہ جوہر بسیط ہے مگر جدید تحقیقات نے اسے غلط ثابت کیا۔ جدید فلاسفہ یعنی سائنسدان فضائے بسیط میں اس پھیلے ہوئے مادہ کو ایتھر Eather کہتے ہیں، اسی ایتھر کو پہلے عماء کہا جاتا تھا[3]

ایتھر کے بارے میں یہ علامہ کشمیریؒ کا جدید رجحان ہوا، اب عرفاء کے مکاشفات کے ساتھ اسے اس طرح ملایا کہ اللہ نے اسی عماء سے نور محمدی ظاہر فرمایا۔ ضرب الخاتم کا پہلا شعر ہے:

تعالیٰ الذی کان ولم یک ماسویٰ
واوّل ما جلّی العماء بمصطفےٰ[4]

اس شعر میں صنعتِ ایہام ہے۔

علوم جدیدہ ہی اسلام کے قریب ہے مندرجہ بالا مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علامہ

---

[1] فیض الباری۔

[2] عبقریۃ العرب: عمر فروخ: ص ۴۳-۴۴، المکتبۃ العلمیہ، بیروت ۱۹۵۲ء

[3] فیض الباری

[4] ضرب الخاتم علی حدوث العالم، علامہ محمد انور شاہ: ص ۲ دیوبند ۱۳۲۷ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کشمیریؒ کس طرح قدیم و جدید کے ڈانڈے ملانے کی کوشش کرتے تھے اور اسلام کے عقائد یا فوق الفطری امور کی صحت و واقعیت سمجھانے کے لیے کس طرح عصر حاضر کی علمی تحقیقات اور انکشافات سے استفادہ کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے تلامذہ کو بتلایا تھا کہ پرانے فرسودہ فلسفہ کے برعکس موجودہ سائنس ہی اسلام سے میل کھاتا ہے۔

مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری (صاحب انوار الباری) لکھتے ہیں کہ ایک بار شاہ صاحب سے یہی بات پوچھی گئی کہ آیا فلسفۂ قدیم ہی اسلام سے قربت رکھتا ہے یا جدید عصری معلومات و تحقیقات۔ اس پر انھوں نے اعتماد کے ساتھ جواب دیا کہ علوم جدیدہ ہی اسلام سے قربت رکھتے ہیں[۱] علامہ کشمیریؒ جیسے دینی عالم کا یہ ملفوظ جب شائع ہوا تو بڑے بڑے اصحاب فکر و بصیرت نے علامہ کشمیریؒ کی ربانی بصیرت کا اعتراف کیا۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ نے، جو قدیم و جدید اور دینی و دنیوی علوم کے شناسا و شناور تھے "صدقِ جدید" میں اس ملفوظ پر یہ رائے ظاہر کی:

> "بات ہے صاف اور کھلی ہوئی، لیکن صدیوں کے تعصب اور مذاقِ قدیم کی پاسداری سنے پردے بھی ایسے تہہ بہ تہہ ڈال دیے کہ اس حقیقت تک رسائی کے لیے ضرور انور شاہ ہی جیسے علامۂ وقت کی بصیرتِ ربانی کی پڑی۔ کاش ان کے اس قسم کے ملفوظات کی اشاعت اسی وقت ہو گئی ہوتی، اس سے بے زبانوں کی بھی زبان ہو جاتی اور ان سے متأخر نسل میں کم سے کم مولانا احسن گیلانی جیسے فاضل یگانہ تو اسی کے سہارے بہت کچھ لکھ ڈالتے"[۲]

علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی کتابوں میں ایک عجیب و غریب خوبی یہ بھی ہے کہ ان کے ہاں ربانی علماء جیسے مولانا جلال الدین رومیؒ، شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ، حضرت

---

[۱] نفحۃ انور [۲] صدق جدید ۲۹ر جنوری ۱۹۶۱ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجدد الف ثانی وغیرہم کے علوم و افادات کے پہلو بہ پہلو فضلائے یورپ کی جدید تحقیقات بھی نظر آتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہمارے کبار صوفیاء نے جو حقائق بیان کیے ہیں طبیعیات کی جدید تحقیقات نے ان میں سے بہت سی باتیں قابلِ فہم بنا دی ہیں اور علامہ کشمیریؒ نے اپنے کتب ورسائل میں اس طرح کی بہت سی باتیں پیش بھی کی ہیں۔ یہ خوبی راقم کو علامہ کشمیری کے معاصرین میں کسی اور عالمِ دین کی کتاب میں نظر نہیں آئی۔ ہم حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ سے بے خبر نہیں ہیں مگر ان کی "الکلام" صرف فلاسفہ اور متکلمین کے ارد گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ اگرچہ سوانح مولانا روم کے آخری اوراق میں یہ خصوصیت ضرور نظر آتی ہے مگر یہاں بھی بصیرت سے زیادہ مرعوبیت کا احساس ہوتا ہے۔ پھر علامہ کشمیری کا یہ عمل اس لحاظ سے اور بھی قابلِ غور بن جاتا ہے کہ ان کا تعلق پرانے طرز کے علماء اور قدیم دینی حلقے سے تھا۔ اس حلقے کو قدیم ذوق کی سخت پاسداری تھی اور اس سے ایک قدم باہر نکالنا سخت مشکلات کو دعوت دینے کے مترادف تھا[۵] مگر علامہ محمد انور شاہؒ اس حلقے کے

---

۵ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"امام فخر الدین رازی اور علامہ مسعود بن عمر تفتازانی (م ۷۹۱ھ) کو عموماً طلبہ میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان نامبردہ حضرات کے مقابلہ میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز کی بات سننے کے لیے بھی تیار نہیں۔ شیخ الہند اگر کسی مسئلہ میں امام رازی یا علامہ تفتازانی کی تغلیط کرتے تو یہ بطور پر فرماتے کہ محققین کی رائے اس مسئلے میں یوں ہے۔ طلبہ سمجھتے کہ یہ محققین ان حضرات سے بھی کوئی متقدم ہستیاں ہوں گی مگر میں ایک عرصے کے بعد متفطن ہوا کہ محققین سے مراد مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے اساتذۂ کرام اور مشائخ عظام ہیں جو شاہ ولی اللہ پر ختم ہو جاتے ہیں"۔

دیکھیے: "امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف" مکتبۃ الفرقان بریلی ۱۹۵۹ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علماء میں پہلے ایسے عالم نکلے جنھوں نے سلف وخلف کا احترام ملحوظ رکھ کر علمی مباحث ومسائل میں جمود وتعطل پر کاری ضرب لگا دی۔ انھوں نے علم کو زمان ومکان کی بندشوں میں محصور نہیں سمجھا بلکہ ہر جگہ اور ہر دور کے علم سے بقدر ظرف استفادہ کیا۔ غرض علامہ انور شاہ بہت سے مسائل کو عرفاء کے افادات کی روشنی میں اس طرح حل کرتے ہیں کہ جدید تحقیقات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔ یہ کمال ہمیں علامہ اقبال کے خطبات میں ضرور نظر آتا ہے۔ ان میں ایک طرف ہم برکلے، نطشے، آئن اشٹائن اور برگسون کے افکار وخیالات دیکھتے ہیں اور ان کے دوش بدوش رومی، ابن عربی، عراقی، محمود پارسا اور شیخ احمد سرہندی وغیرہ کے تجربات ومشاہدات بھی پاتے ہیں۔ ان خطبات میں پانچواں خطبہ "The spirit of Islamic culture" اس لحاظ سے خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل اشعار پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہیں جن سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ کشمیریؒ علوم جدیدہ سے کس قدر متاثر تھے:

فسبحانہٗ من برھانہ کل آیۃ وفی کل شان منہٗ شان قد اختفی

یہ سارا کائنات وجود باری کی دلیل ہے اور ہر نشانی اور ہر حالت، اللہ کی مخفی شان ہی کا ظہور ہے اور اسی کے وجود کی دلیل ہے۔

فذلک اعجاز وخرق لعادۃ وان کان کل الکون اعجاز منتھی

پس یہاں کی ایک ایک نشانی اور ایک ایک حالت ایک مستقل معجزہ اور خرق عادت ہے بلکہ بالآخر یہ ساری کائنات ایک معجزہ اور سر چکرا دینے والی چیز ہے۔

وقد قیل ان المعجزات تقدم بما یرتقی فیہ الخلیفۃ فی مدی

یعنی: پیغمبروں نے جو معجزات پیش کیے وہ در اصل آنے والی نسلوں کو عقلی وفکری ترقی کے لیے بمنزلہ تمہید تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یکاشف ایضاً عن ید افی ستارۃ من الخلق تعریفاً بہ من قد اجتبیٰ

یعنی: وہ مخلوق اور کائنات سے پردے ہٹاتا ہے تاکہ انسان کو اس کے مقام و مرتبے سے آگاہ کرے جس کے لیے اسے چنا گیا ہے اور جس کے لیے اسے خلافت و نیابت عطا کی گئی ہے۔

فان قیل بین الروح فی الطب والحجیٰ تناسب الاٰن فقد یکتفی کذا

یعنی: اگر کہا جائے کہ طب میں روح اور فکر کے درمیان تناسب اور تعلق ہے تو یہ اطمینان بخش اور قابل قبول ہے۔

یقال الیٰ حین استھاموا وما دروا علاقۃ بین الروح والفکر کیف ذا

بیولاجیا اضحیٰ کذلک محبطاً لتحریجھم سر الحیاۃ وما انجلی[۵۱]

یعنی آج تک سرگرداں ہو کر پوچھا کرتے تھے کہ روح اور فکر میں کیسے تعلق ہوتا ہے مگر اب بیالوجی (Biology) (علم الحیات) نے زندگی کے اس راز کو بھی فاش کر دیا۔

زمان و مکان کا فلسفہ بیسویں صدی کی ابتداء میں سائنسی دنیا، بالخصوص طبیعیات میں کچھ ایسی تحقیقات و انکشافات منظر عام پر آئیں جن سے طبیعیات سے متعلق بہت سے قدیم نظریات میں بھونچال آیا[۵۲] ان نظریات میں نظریۂ زمان و مکان کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ آئن اسٹائن کے نظریۂ اضافیت کی رُو سے زمان اور مکان کو مستقل بالذات وجود حاصل نہیں ہے یہاں تک کہ اس نظریے کی رو سے زمان اور مکان کو دو وجود کی حیثیت سے قبول کرنا بھی غلط ہے بلکہ ان کا وجود ایک دوسرے پر قائم ہے اور بجائے "زمان اور مکان" کہنے کے "زمان ــــ مکان" کہنا ہی درست ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری نے (شاید علامہ اقبال کی تحریک پر) مسئلہ زمان و مکان پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

---

۵۱ ضرب الخاتم علیٰ حدوث العالم: علامہ کشمیری: ص ۳۰۲۔

۵۲ دیکھیے مذہب اور سائنس از مولانا عبدالباری ندوی؛ خصوصاً مقدمہ کتاب از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحث کی۔ اگرچہ انھوں نے فلاسفہ، متکلمین اور عرفاء، نیز عصر حاضر کے مسلم الثبوت مصنفین کی کتابوں سے جگہ جگہ استفادہ کیا ہے مگر پرستش کسی مکتب فکر یا نظریے کی نہیں کی ہے۔ انھوں نے معیار بالآخر اپنے فہم کو بنایا ہے جو اسلامی روح سے آشنا اور علوم نبوت سے مستفید اور مستنیر تھا۔ ہم ان دو رسالوں سے چند فوائد بطور نمونہ درج کرتے ہیں۔

زمان کوئی مستقل وجود نہیں رکھتا ہے علامہ انور شاہ محدث فرماتے ہیں:

فالزمانُ انما هو فی مطمورتنا	زمانہ صرف ہمارے حدود میں واقع ہے، ورنہ
لیس عند ربك صباح ولا مساء	اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ صبح ہی ہے اور نہ شام۔
کما رُوِی ذلك عن ابن مسعود[1]	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی ایسا ہی نقل ہے۔

آگے لکھتے ہیں کہ صدیوں قبل علامہ ابن قیم نے بھی اپنے مشہور قصیدۂ نونیہ میں یہی خیال ظاہر کیا ہے۔

قال ابن مسعود کلامًا قد حکا ... لا الدارمیُّ عنه بلا نکران
ما عندہ لیلٌ یکون ولا نهارٌ ... قلت تحت الفلك یوجد ذان
نور السموات العلیٰ من نورہ ... والارض کیف النجم والقمران
من نور وجه الرب جل جلالهُ ... وکذا حکاہُ الحافظ الطبرانی[2]

ترجمہ: دارمی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے غیر منکر روایت نقل کی ہے کہ اللہ کے ہاں نہ دن ہی ہے اور نہ رات ہی۔ ان کا وجود آسمان کے نیچے ہے۔ بلند آسمانوں کا نور اللہ ہی کا نور ہے۔ یہی حال زمین، چاند اور تاروں کا بھی ہے۔ ان کا نور بھی اللہ تعالیٰ ہی کا نور ہے۔

---

[1] مرقاۃ الطارم لحدوث العالم: علامہ محمد انور شاہ کشمیری: ص ۳۔
[2] عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام: علامہ محمد انور شاہ کشمیری: ص ۱۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسا کہ حافظ طبرانی نے نقل کیا ہے۔

ایک اور مقام پر زمانے کے مستقل وجود کو موہوم قرار دیتے ہوئے علامہ کشمیری فرماتے ہیں کہ ہم جن واقعات پر اعتبار کرتے ہیں اور حالات و واقعات کو بزعم خود متعین کرتے ہیں وہ سب بے حقیقت ہے۔ کیونکہ وقت یعنی زمانے کا وجود ہم سے قائم ہے، نہ یہ کہ ہم ہی وقت کے وجود سے قائم ہیں۔ وقت کا وجود وجود ذہنی ہے۔ ذہن سے باہر اس کا کوئی وجود نہیں ہے:

وتوهم امتداد الزمان، ومابني عليه كله توهم، لا اصل له رأساً وانما هو من ايغال الوهم لا غير... ... ووضع وقت للحين وشئ من الدقات الموجودة قبله توهم ايضاً۔ انما الوقت بالحدوث فی عالمنا۔ ولو لم یکن فی عالمنا لم یکن هو۔

زمانے کا پھیلاؤ ایک وہم ہے۔ اسے بنیاد بنا کر کسی چیز کو قائم کرنا، وہ بھی وہم ہی ہوگا۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ محض وہم کا دھوکہ ہے۔ یہ بھی بالکل وہم ہے کہ موجودہ (یعنی متعارف) اوقات میں سے کسی وقت پر اعتبار کرکے عالم کے حدوث کا وقت مقرر کریں بے شک حدوث کا وقت ہمارے عالم ہی میں ہے اگر یہ ہمارے عالم میں نہ ہوتا تو یہ بھی نہ ہوتا۔

ایسا اس لیے ہے کہ

هو بنا لا نحن بها[1]

وقت کا وجود ہمارے وجود پر منحصر ہے نہ یہ کہ ہم اس کے وجود سے قائم ہیں۔

مختلف اجسام کے لیے مختلف نوعیت کے اوقات اور امکنہ ہیں۔	حضرت علامہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مکان اور زمان کی نوعیت ایک ہی نہیں ہے بلکہ مختلف

---

[1] مرقاۃ الطارم: ص ۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہستیوں کے لیے مختلف ہے مثلاً ہوا کے وقت کی نوعیت نور کے زمان و مکان کی نوعیت سے مختلف ہے، اسی طرح روح کا زمان و مکان بھی دوسری نوعیت کا حامل ہے۔ تمام لطیف ہستیوں کا زمانہ اسی کے مطابق ہوگا اور عالم غیب میں جو چیز سب سے زیادہ مختصر ہوگی وہ ہمارے ہاں سب سے زیادہ لمبی ہوگی۔ کسی چیز کو خیال میں لانے میں دو سال کی مدت درکار ہوتی ہے اور دوسری جگہ اسی چیز کے لیے ایک اشارہ کافی ہوتا ہے اس طرح صرف ایک چیز کے لیے دو مختلف مکان ٹھہرے:[1]

وقیل لجسمٍ او ھوا ءٍ و نورٍ نا۔ ورٍ وحٍ مکانٌ لا یقاسُ بما سوٰی

یعنی اجسام، ہوا، نور، روح وغیرہ کے لیے اپنا مخصوص "مکان" ہے جن کو ایک دوسرے پر قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

والبعد بعض منہُ اقربُ غیرہٖ		فامکنۃٌ فیہا التفاوت قد سریٰ

کسی چیز کا بعید ترین مکان دوسرے کے لیے قریب ترین ہے اس طرح مختلف اور متفرق "مکان" کا سلسلہ چل رہا ہے۔

وکلّ لطیفٍ فالزمان لہٗ کذا		وَاقصرہٗ فی الغیب اطولنا مدیٰ

ہر لطیف ہستی کا ویسا ہی زمان ہوگا اور غیب میں جو چیز سب سے زیادہ مختصر ہوگی وہ ہمارے ہاں سب سے زیادہ طویل ہوگی۔

تخیلُ امرٍ فی سنین ھنا لکم		سنینٌ وصیغٌ ھٰھنا موطنان ذا

ایک طرف کسی چیز کے تصور میں دو سال اور دوسری طرف اسی کے تصور میں ایک اشارہ درکار ہوتا ہے اس طرح ایک ہی چیز کے لیے دو مکان بن جاتے ہیں۔

کدھر؟ زمان و مکان کی بحث کے وقت اس مشہور حدیث پر نظر پڑتی ہے جس میں دھر کا

---

[1] ضرب الخاتم: ص ۱۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بظاہر عین خدا ہونا نظر آتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تسبّوا الدھر، فان اللّٰہ ھو الدھر؛ یعنی زمانے کو گالیاں نہ دو بیشک زمانہ ہی خدا ہے علامہ اقبال کی ایک نظم "نوائے وقت" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث سے سخت متاثر تھے۔ انھوں نے اس نظم میں زمانے کو اس طرح پیش کیا ہے کہ یہی قادر مطلق اور متصرّفِ عالم نظر آتا ہے۔ زمانہ اس نظم میں بڑے اعتماد کے ساتھ کہتا ہے:

خورشید بدامانم، انجم بگریبانم — در من نگری ہیچم، در خود نگری جانم
چنگیزی و تیموری مشتے ز غبارِ من — ہنگامۂ افرنگی یک جستہ شرارِ من
پنہاں بہ ضمیرِ من صد عالمِ رعنا بیں — صد کوکبِ غلطاں بیں صد گنبدِ خضرا بیں

یا مثلاً ایک اور نظم میں بھی مذکورہ بالا حدیثِ قدسی سے استفادہ کرکے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

زندگی از دہر، دہر از زندگی
لا تسبوا الدھر فرمانِ نبی ست

مگر اس قسم کے اشعار کو بنیاد بنا کر علامہ اقبال کو دہری قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ ان کے ہاں وقت، زمانہ، زندگی، عصر، دہر کے مختلف معنیٰ ہیں۔ اس کے علاوہ دہر کو صوفیۂ کرام کے ہاں علیحدہ مفہوم و معنیٰ بھی ہے۔ علامہ اقبال اپنے انگریزی خطبات کے پانچویں لیکچر The Conception of God and the Meaning of Prayer میں لکھتے ہیں:

"محی الدین ابن عربی کے ہاں دہر، اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک ہے۔ اسی طرح امام رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ کسی صوفی بزرگ نے انھیں "دہر" "دیہور" اور "دیہار" کی تکرار سکھایا تھا۔"[1]

(حاشیہ صفحہ ۲۳ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے ہاں بھی "دہر" کو (لغوی حیثیت سے نہیں) ایک خاص مقام حاصل ہے۔ ان کے ہاں تمام اجسام چاہے وہ لطیف ہوں یا کثیف کے زمان اور مکان ایک مقام پر دہر میں آکر مل جاتے ہیں:

الی ان یصیر الکل فی الدھر حاضرا فدھرہ ودیھورہ ودیمارہ ان اعتلی[1]

یہاں دہر سے مراد وہی ہے جسے بعض اہل علم "سرمد" کہتے ہیں[2]

جہاں تک اس حدیث کے بارے میں علامہ کشمیری کے عقیدے کا تعلق ہے تو وہ وہی ہے جو متقدمین محدثین عظام کا رہا ہے۔ وہ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ اس عالم میں جو کچھ ہے یہ صرف صفاتِ رب کے جلوے ہیں۔ یہاں کوئی چیز مستقل بالذات نہیں ہے:

اعلم ما من شیئ فی العالم بقضبہ وقضیضہ الا ینتھی الی صفۃ من صفات اللّٰہ تعالیٰ ولیس فیہ شیئ مستقل[3]

جاننا چاہیے کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ سب بالآخر اللہ کی صفات میں سے ایک صفت پر جاکر ختم ہوتی ہے۔ یہاں کوئی چیز مستقل نہیں ہے۔

زمان اور مکان بھی اسی میں شامل ہیں یہ اللہ کے صفاتِ فعلیہ میں سے ایک صفت ہے[4]۔ ایک اور جگہ حافظ ابن حجرؒ کی اس حدیث کے بارے میں رائے کا خلاصہ درج کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو زمانے کے سب وشتم سے منع کرنے کا مدعا یہ

(حاشیہ صفحہ ۳۶۷) تشکیل الٰہیات جدیدہ (انگریزی): ص ۴۰، دہلی ۱۹۷۵ء

[1] ضرب الخاتم: ص ۱۳

[2] خود علامہ کشمیری نے بھی شعر کے حاشیہ پر لکھا ہے: وقد اجاد فی دائرۃ المعارف للبستانی من اسمہ صدا" ص ۱۳

[3] مرقاۃ الطارم: ص ۴۔ [4] فیض الباری علی صحیح البخاری ج ۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا کہ لوگ کہیں یہ نہ سمجھیں کہ زمانہ ہی فاعل حقیقی ہے۔ فاعل حقیقی تو اللہ ہی ہے جب لوگ آلام ومصائب کے نازل کرنے والے کو گالیاں دیں گے تو وہ فاعل حقیقی یعنی اللہ ہی کی طرف لوٹیں گی (معاذ اللہ)

قال الحافظ معنی النھی عن سب الدھر ان من اعتقد انه الفاعل للمکروہ فسبه اخطاء فان اللہ ھو الفاعل۔ فاذا سببتم من انزل ذلك بکم رجع السب الی اللہ[1]

حافظ ابن حجر کے نزدیک سب وشتم سے روکنے کا مقصد یہ ہے کہ جس شخص نے یہ اعتقاد رکھا کہ دہر ہی کروہات کا فاعل ہے پھر اسے گالی دی تو اس نے غلطی کی کیونکہ فاعل تو صرف اللہ ہے۔ اس لیے جب تم نازل کرنے والے کو گالیاں دو گے تو وہ خدا ہی کی طرف لوٹیں گی۔

وجود باری اور قیومیت | باری تعالیٰ کا وجود ثابت کرنے کے لیے فلاسفہ نے ایک بڑی دلیل علت اور معلول کی دی ہے وہ اس سلسلۂ علت ومعلول کو علۃ العِلَل پر ختم کرتے ہیں اور اسی کو خدا بھی ٹھہراتے ہیں۔ دوسری طرف بعض صوفیائے کرام ہیں انھوں نے اپنے مشاہدات اور روحانی تجربات کی روشنی میں وجودِ حق کے اثبات میں اپنی دلیلیں دی ہیں مگر دونوں طرف سے جو انکار ونظریات پیش ہوئے وہ قرآن کے پیش کیے ہوئے "اللہ" سے پوری طرح میل نہیں کھاتے، کہیں صفات وکمالات میں نقص نظر آتا ہے اور کہیں خالق ومخلوق عین اور متحد دکھائی دیتے ہیں۔

علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے دو رسالوں کا مرکزی مضمون یہی اثبات باری ہے انھوں نے اس بارے میں جو دلائل پیش کیے ہیں ان کی امتیازی خوبی یہ ہے کہ جس خدا کا

---

[1] انوار المحمود شرح سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۶۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجود ثابت کیا جاتا ہے اس میں وہ سارے اوصاف و کمالات نظر آتے ہیں جو اس کے شایانِ شان ہیں۔ وہ فلاسفہ کے نظریہ کی طرح محض خانہ پری کا خدا نہیں ہے جس نے کائنات تو بنائی مگر اس سے غیر متعلق ہوا اور اب محض تماشائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ خالق کے ساتھ قیوم بھی ہے۔ علامہ محمد انور شاہ کے نزدیک صوفیۂ کبار کا فلسفۂ وحدۃ الوجود در اصل یہی فلسفۂ قیومیت ہے۔ وہ فرماتے ہیں

ولما كان وجوده منه ومتعلقاً به استمسكه وهو قيومه لم يقدح في نعت الاحدية. هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شيء عليم [1]

یعنی جب عالم کا وجود ذاتِ واجب کے وجود سے قائم ہے تو اسی ذات نے اس کو تھام بھی لیا اس طرح وہ عالم کا قیوم بھی ہوا۔ اس کی قیومت سے اس کی صفتِ احدیت پر قدح وارد نہیں ہوتی ہے کیونکہ وہ اول و آخر اور ظاہر و باطن بھی خود ہی ہے وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

اپنی ایک درسی تقریر میں اسی حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتے ہیں:

كذلك الوجود وتوابعه من الكمالات والخيرات في اي ممكن وجد في اي مرتبة تحقق هو وجود الباري عزّ اسمه وكمالاته لانها هي كمالاته ليس للممكن منها نصيب الا القدر الذي للارض من نور الشمس - وهذا

اسی طرح وجود اور اس کے خیرات و کمالات کے مظاہر، چاہے وہ ممکنات میں سے کسی بھی ممکن میں پائے جائیں وہ اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کا وجود ہے (کیونکہ خیر محض ہونے کا حق صرف اسی کو حاصل ہے) ممکن (مخلوق) کے کمالات اللہ کے کمالات ہیں۔ ان میں اس کو صرف اتنا ہی حق پہنچتا ہے جتنا زمین کو

---

[1] مرقاۃ الطارم لحدوث العالم: ص ۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسئلة وحدة الوجود وتعدد الموجودات التي ذهب اليها المحققون ۔ [1]

آفتاب کی روشنی ہے۔ (یعنی جس طرح زمین کو اپنی روشنی نہیں ہے بلکہ اس کی روشنی کا دارو مدار آفتاب کی روشنی پر ہے) وحدۃ الوجود اور تعدد موجودات جیسے مسائل، جنھیں بعض محققین نے اختیار کیا ہے کی بنیاد بھی یہی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مخلوق کا وجود عین وجود خالق ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ خالق کو اپنے مخلوق کے ساتھ ایسا دائمی ربط و اتصال ہے جو اس سے کبھی بھی منفصل نہ ہو سکے۔ محیط و قیوم ہونا خدا کے لیے ضروری ہے کہ کائنات کا وجود اسی کے وجود پر منحصر ہے۔ ورنہ وہ خدا ہی کیا جس نے کائنات تو بنا دی اور اب اس کے ساتھ بے تعلق رہتے ہوئے محض ایک تماشائی ہوا۔ اس طرح کا اعتقاد خدا کے لیے نقص اور عیب کا مستلزم ہے، جس سے وہ منزہ اور پاک ہے۔ اسلام جس خدا کو خدا کہتا ہے وہ خالق ہونے کے ساتھ قیوم بھی ہے۔ اس کے وجود سے مخلوق کا وجود قائم ہے مگر خالق و مخلوق کا یہ ربط و اتصال ویسا بھی نہیں ہے جیسے بعض صوفیہ نے پانی اور بلبلہ یا دھاگے اور گرہ کی مثال دے کر سمجھایا ہے۔ بلکہ اس ربط میں عینیت کے ساتھ کمال درجے کی غیریت بھی ہے۔ علامہ کشمیری اسے ایک مثال سے سمجھاتے ہیں جس کو یہاں اس طرح پیش کرنا مناسب ہوگا۔

(۱) کرۂ شمس ـــــ ذاتِ حق (۲) ـــــ جرم شمس کا نور ـــــ وجودِ حق

(۳) شعاعِ شمس ـــــ صفاتِ حق (۴) محل شعاع ـــــ اعیانِ ثابتہ یا معلوماتِ حق

تفصیل یہ ہے کہ

---

[1] انوار المحمود شرح سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۴۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرۂ شمس کو بطور مثال ذاتِ حق کہا جائے آفتاب کے جرم میں جو نور ہے اسے وجودِ حق مانا جائے آفتاب کی شعاعوں کو صفاتِ حق اور ان شعاعوں کے مقام وقوع سے اعیانِ ثابتہ (یا اشیاء کون) مراد لیا جائے پس جس طرح کرنیں خارج میں اشیاء کائنات پر پڑتی ہیں اسی طرح اللہ کی تجلی اللہ کے معلومات (جو اعیانِ ثابتہ بھی کہلاتے ہیں) پر پڑتی ہے۔ اب جس طرح شعاع شمس عین جرم شمس نہیں ہے اسی طرح یہ معلومات حق بھی عین ذات حق نہیں ہیں مگر ان میں جو ربط و اتصال ہے اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا ہے آئینے پر آفتاب کا جو عکس پڑتا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ عکس عین آفتاب ہے مگر اگر آفتاب کا وجود نہ ہوتا تو عکس بھی کہاں وجود میں آسکتا تھا[1]۔

علامہ کشمیری فرماتے ہیں کہ علت و معلول کے فلسفے سے خدا کا ازلی وجود ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے نت نئی بحثیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس فلسفے کے بغیر بھی وجود باری ثابت ہوتا ہے، لکھتے ہیں:۔

ولیعلم ان التقدم الباری علی	جاننا چاہیے کہ عالم پر ذاتِ باری کا تقدم
العالم لیس ہو من تلقاء العلیۃ	فقط علت و معلول کی بنا پر ہی نہیں ہے
فقط کما بنیٰ السید باقر المسألۃ	جیسا کہ سید باقر نے اس مسئلہ کی عمارت بھی
علیہ فاورد علیہ منافستون ما	اسی پر کھڑی کی ہے جس پر کرید نے والوں نے
اوردوا، انما ہو نعت الحی	وہ اعتراضات کیے جو مخفی نہیں ہیں۔ بلکہ
علی حیالہ من تلقاء الاحدیۃ	یہ تقدم اللہ کی ایک صفت و نعت ہے۔ یہ
والفردیۃ والوتریۃ یقتضی تقدم	صفت باری تعالیٰ میں اس کے احد، فرد، وتر
العدم علی العالم مرۃ ویبقی ذلک	ہونے کی جانب سے ہے۔ یہی صفت عالم کے

---

[1] انوار المحمود ج ۲ ص ۵۴۹۔

© rasailojaraid.com

النعت مستمر ایضاً بعد وجود العالم ایضاً اذ هو موصوفٌ ایضاً ابداً بعد العالم۔ ولا نظر الی من هو داخل فی مطمورته بل النظر الی المجموع من حیث المجموع، استشعر به احد ولم یشعر۔

اتنا ہی معدوم ہونے کے متقاضی ہے اسے عالم کے وجود میں آنے کے بعد باقی رہے گی۔ کیونکہ وہ عالم ہمیشہ اس صفت سے متصف ہے کہ یہ عدم کے بعد وجود میں آیا ہے دیکھنا یہ نہیں ہے کہ اس گنجینۂ عالم میں داخل کون ہے بلکہ مجموع کو من حیث المجموع دیکھنا ہے۔ کسی نے اس نکتے کو سمجھنے کی کوشش تو کی ہے مگر پھر بھی نہیں سمجھا ہے، جیسا کہ کہا ہے:

دریا بوجود خویش موجے دارد
خس پندارد کہ ایں کشاکش با اوست[۵]

دریا اپنے وجود سے موجیں مارتا ہے مگر تیرنے والے تنکے کو گمان ہے کہ اس کی کشاکش ذاتی ہے۔

مندرجہ بالا سطور میں علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے چند افادات، جنھیں راقم نے اپنے مبلغ علم اور محدود فہم کے مطابق سمجھا، پیش کیے گئے۔ اصل میں علامہ انور شاہ کی تصانیف والا، جن میں ان کے دو رسالے (ضرب الخاتم اور مرقاۃ الطارم) زیادہ قدر و اہمیت کے حامل ہیں، میں عقلی علوم سے متعلق بہت سے افادات بکھرے ہوئے ہیں۔ ان افادات کو جمع کرنے اور پھر آسان اردو میں منتقل کرنے کی کافی ضرورت ہے۔ افسوس ہے کہ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اس طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ وہ علامہ کشمیری کے خاص شاگرد اور علم و فضل میں بقول ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی "دین و دانش کے ماہر کامل" تھے۔ وہ یقیناً علامہ محدث کشمیریؒ کے ہر ایک افادے کو کتاب بنا سکتے تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب "الدین القیم" میں نظریہ

---

۵ مرقاۃ الطارم: ص ۷۔

© rasailojaraid.com

قیومیت[۱] عنوان کے تحت وحدۃ الوجود پر نہایت دلآویز افکار و خیالات اور لطیف و نفیس نکتے پیش کیے ہیں۔ ان کے بارے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ جیسے ماہرِ فن نے اعتراف کیا ہے۔

"مسئلہ قیومیت پر جو کچھ لکھا ہے وہ تازگیٔ فکر اور ندرتِ عنوان کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے"[۲]

اگرچہ حضرت مولانا گیلانیؒ نے اس بحث میں علامہ کشمیری سے استفادہ کرنے کا کوئی ذکر کتاب میں نہیں کیا ہے مگر اپنے ایک دوسرے مضمون میں وہ صاف لکھتے ہیں:

"خاکسار نے اپنی کتاب "الدین القیم" میں اسی وحدۃ الوجود (مسئلہ قیومیت) کے مسئلہ کی جو تشریح و تفصیل کی ہے سچی بات یہ ہے کہ بنیادی امور اس کے شاہ صاحب کی تقریر ہی سے ماخوذ ہیں"[۳]

مآثر و معارف، یعنی پچیس مقالات کا مجموعہ:

مؤلفہ جناب قاضی اطہر مبارک پوری:

جس میں تدوینِ حدیث و علوم حدیث کی تاریخ۔ کتب حدیث و فقہ کا تعارف، اسلامی علوم کا ارتقاء، تعلیمی مسلمانوں کی علمی سرگرمیاں، یورپ میں اسلامی علوم و فنون کی ترویج اور کئی اسلامی شخصیات اور علمی کتابوں اور علمی اداروں کے قیام کا ذکر۔ تقریباً پچیس عنوانات کے تحت مفصل اور مستند طور پر درج کیا گیا ہے متوسط تقطیع ۲۰×۲۶/۸ صفحات ۲۷۲، قیمت -/15 مجلد -/20 روپے

۱؎ الدین القیم: ص ۱۲۰ تا ۱۳۵ نفیس اکیڈمی کراچی۔

۲؎ ایضاً۔

۳؎ حیات انور: ص ۶۰، طبع اول دیوبند ۱۹۵۵ء۔

© rasailojaraid.com